رِبَا النَّسِیئَہ

اشکالات اور اُن کا جواب

مرزا عمران حیدر

نظامِ معیشت میں سود کی ہلاکت خیزی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ اپنی تباہ کاریوں کے پیشِ نظر ہر قوم اور ہر دَور میں یہ حرام اور ناپسندیدہ رہا ہے۔ الہامی تعلیمات اِس کی حرمت پر متفق ہیں۔ سیکولر معاشرہ بھی اخلاقیات کی بنیاد پر اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ البتہ آج نقشہ کچھ بدلا ہوا ہے۔ حلت و حرمت کی قیود سے آزاد، بے دین، مادہ پرستانہ معاشرے میں الہامی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے اور باطل تأویلات کے ذریعے سود کی حمایت کی جا رہی ہے، بلکہ اسے کامیابی کا زینہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اس نظریاتی تصادم کی بازگشت اسلامی ممالک سمیت تمام دنیا میں سنی جا رہی ہے۔ نتیجتاً پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ سودی نظام کے پنجے مضبوط اور سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی سرمایہ دارانہ سوچ کے بطن سے W.T.O (World Trade Organization) اور اس قبیل کے دوسرے ادارے جنم لے رہے ہیں۔

اِن حالات نے مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے طبقات پیدا کر دیے ہیں جو سودی نظام کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اِن طبقات نے علماءِ سوء کے ذریعے اسلامی معاشی قوانین میں رخنے ڈالنے اور ان اسلامی معاشی اصولوں کی باطل تأویلات کے ذریعے قرآن و حدیث سے مرضی کے مفاہیم کشید کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ کبھی حدیث کا انکار کر کے سود کی بعض اقسام کا انکار کر دیا جاتا ہے اور کبھی عقل کے بے لگام گھوڑے پر سوار ہو کر قرض کو صرفی اور تجارتی قرض کی خود ساختہ اقسام میں تقسیم کر کے تجارتی سود کی ممانعت کا سرے سے ہی انکار کر دیا جاتا ہے۔ دینی مسلّمات سے انحراف کی اِس سوچ کی بنا پر عام مسلمان اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ وہ کس نظریے کو اختیار کرے۔

حق و باطل کا معرکہ روزِ اوّل سے ہی گرم ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ حق کے دفاع

کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے منتخب اور پسندیدہ افراد کو ہی میدان میں اتارتا ہے۔ لیکن یہ معرکہ اُس وقت عروج پر پہنچ جاتا ہے جب ربّ کریم اپنے پیغمبر کی مدد کے لیے خود میدان میں آ جاتا ہے۔

کبیرہ گناہوں کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت سخت سزاؤں کا اعلان ہوا ہے۔ لیکن سود میں ملوث ہونے والے کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ)

''پس اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

شرعی طور پر کئی گناہ ایسے ہیں جو سود سے بھی بڑے معلوم ہوتے ہیں' مثلاً شرک' قتل اور والدین کی نافرمانی وغیرہ' لیکن اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کی دھمکی صرف سود خور آدمی کو ہی دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں ایسے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کسی اور گناہ کے متعلق نہیں فرمائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ (۱)

''رسول اللہ ﷺ نے ربا (سود) کھانے والے' کھلانے والے' اس کے گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا' اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ)) (۲)

''سود کے (گناہ کے) ستر حصے ہیں' ان میں سے سب سے ہلکا (گناہ) اپنی ماں سے منہ کالا کرنا ہے۔''

اللہ ربّ العالمین اور نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی طرف سے سود کے بارے میں اِس قدر سخت زجر و توبیخ کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ سود کی زد صرف معاشی نظام پر ہی نہیں پڑتی بلکہ اس کے اثرات سے پورا اسلامی ڈھانچہ ہی گھائل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر شعبۂ زندگی اور لوگوں کا ہر طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سود کا وجود مطلوبہ اسلامی معاشرے کے قیام کو ناممکن بنا دیتا ہے۔

حرمتِ سود ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں کسی دوسری رائے کا تصور بھی محال

ہے۔ اس اجماعی موقف سے انحراف قرآنی اصطلاح کے مطابق کوئی مخبوط الحواس شخص ہی کر سکتا ہے۔ البتہ اسلام بے زار اور اسلام دشمن عناصر اِس اجماعی موقف میں تشکیک پیدا کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں مصروف ہیں۔

بنیادی طور پر دو پہلوؤں سے حرمتِ سود کا انکار کیا جاتا ہے:

(i) حدیث کا انکار کر کے ربا الفضل اور ربا کی تفصیلات کا انکار کر دیا جاتا ہے۔

(ii) قرآنی ربا کے تعین میں من مانی تفسیر اور عقلی استدلال کے ذریعے انکار کیا جاتا ہے۔

''ربا الفضل'' کے بارے میں ہم سابقہ مضمون میں کچھ عرض کر چکے ہیں [۳]۔ پیشِ نظر مضمون میں ''ربا النسیئہ'' اور ''تجارتی سود'' کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

ربا سے قرآن کی مراد

سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ذاتی مقاصد کے لیے لیا جانے والا قرض ہے جسے صرفی قرض کہا جاتا ہے' لہٰذا صرفی قرضوں پر تو اضافہ حرام ہے' کیونکہ قرآن نے اس سے منع کیا ہے' لیکن تجارتی قرض کا قرآن میں حکم موجود نہیں اس لیے اس میں اضافہ درست ہے۔

اس مسئلے کا تجزیہ کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی ربا کا تعین کیسے ہوا ہوگا؟ تتبع کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیری روایات کے مطابق صرفی قرضوں پر اضافہ حرام ہے۔ نزولِ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے دَور میں قرض کی یہی صورت تھی جسے حرام قرار دیا گیا۔ جب تفسیری روایات ہی سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو دیگر تفسیری روایات کے مطالعہ سے ربا کی دیگر صورتیں بھی واضح ہوتی ہیں۔ بنابریں یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے مطلب کی تفسیری روایات تو قبول کر لیں اور جو روایات اپنے نظریے کے خلاف محسوس ہوئیں اُن کا انکار کر دیا؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ قرآنی ربا کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمادی ہے۔ لہٰذا ربا کی وہ تمام صورتیں حرام ہیں جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمادی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں تجارتی اور غیر تجارتی ربا کی تقسیم کہیں نظر نہیں آتی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرة: ٢٧٥)

''اللہ تعالیٰ نے ''بیع'' کو حلال اور ''ربا'' کو حرام ٹھہرایا''۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''الربا'' میں ''الف لام'' استغراق کا ہے' یعنی ہر طرح کا رِبا حرام ہے۔
علامہ آلوسی نے فرمایا:

''یہ آیت ہر ربا اور ہر بیع کے لیے ہے' اِلاّ یہ کہ کسی رِبا کو خاص کرنے کی دلیل مل جائے''۔ (٤)

جہاں کہیں حالات اور مجبوری کے تحت اس کے جواز کی ضرورت تھی وہاں شریعت نے رخصت دے رکھی ہے۔ مثال کے طور پر ''بیع عرایا'' کو جائز قرار دیا ہے۔ شریعت کی طرف سے دی گئی رخصتوں کے بعد اَب مزید کسی ترمیم اور اضافے کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔

ربا اور تجارت میں فرق

اللہ تعالیٰ نے جب ربا کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا تو بصیرت سے محروم لوگ ان دونوں میں فرق نہ کر سکے اور فوراً ہی کہہ دیا:

﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:٢٧٥)

''یقیناً بیع بھی تو ربا ہی کے مانند ہے!''

یعنی تجارت سود کی مانند ہی تو ہے! آج کے سود خوروں کے مُنہ میں بھی انہی لوگوں کی زبان ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں تجارت اور رِبا میں فرق واضح کرتے ہیں۔

(i) تجارت میں ایک طرف نقدی اور دوسری طرف کوئی شے (جنس) ہوتی ہے۔ تجارت کے نتیجے میں ایک آدمی کو اپنی ضرورت کا سامان یا خدمات اور دوسرے کو نقدی کی صورت میں قیمت ملتی ہے۔ اس میں فریقین کو فائدہ ہوتا ہے۔ سود میں دونوں طرف نقدی ہے۔ نقدی لے کر نقدی دی جاتی ہے۔ نقدی بذاتِ خود قابل استعمال یا مفید شے نہیں ہے' بلکہ دیگر مفید اشیاء کے تبادلے کا ذریعہ ہے' لہٰذا محض نقدیوں کا تبادلہ کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔

(ii) خام مال کو کارآمد بنانے کے لیے اس پر محنت اور مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس محنت اور سرمایہ کاری کے بعد جو کارآمد چیز بنتی ہے اس کا معاوضہ تجارت کی شکل میں حلال منافع کہلاتا ہے' جبکہ نقدی پر محض وقتی مہلت کے عوض حاصل ہونے والا اضافہ سود کہلاتا ہے' جس کے حصول کے لیے کسی قسم کی جسمانی یا ذہنی مشقت کی value addition نہیں ہوتی۔

(iii) تاجر مارکیٹ کی ضرورت کو مدِنظر رکھ کر سامان خریدتا ہے' اسے اپنی ملکیت میں لے کر کسی محفوظ جگہ پر رکھتا ہے' چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ مول لیتا ہے' اچھی قیمت وصول

کرنے کے لیے اس میں کوئی مناسب تبدیلی یا پیکنگ وغیرہ کرتا ہے۔ پھر اس سامان کی تشہیر کر کے لوگوں کو اسے خریدنے پر آمادہ کرتا ہے۔ گاہک کو مطمئن کرنے کے لیے محنت کرتا ہے۔ بسا اوقات فروخت کے بعد بھی اس چیز کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اس ساری تگ و دو کے بعد ہی وہ تجارت کے ذریعے حلال منافع کمانے کے قابل ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اسے لازماً نفع ہو' بلکہ بسا اوقات بہت سی وجوہات کی بنا پر اسے نفع کی بجائے خسارے کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ تاجر کا منافع یقینی نہیں بلکہ غیر یقینی ہے۔ بہت زیادہ نفع' کم منافع یا نقصان' ان تمام صورتوں کو قبول کرنے کے لیے وہ ذہنی طور پر آمادہ ہوتا ہے' تب کہیں جا کر اُس کا منافع حلال کہلاتا ہے۔ مسلمان تاجر کو تجارت میں حلال چیزوں کا ہی انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ وہ شرعی حدود وقیود کا پابند ہے۔ حرام اور نجس اشیاء کی تجارت اس کے لیے ممنوع ہے۔

سود میں دائن مدیون کو رقم فراہم کر کے ہر قسم کی جسمانی اور ذہنی مشقت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ قرض لینے والا اس رقم سے کیا کرتا ہے' حرام خریدتا ہے یا حلال' اسے نفع ہوتا ہے یا نقصان' اِن تمام باتوں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس کا پہلے سے طے شدہ منافع (سود) حتمی ہے جو وہ ہر حال میں وصول کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

(iv) تجارت میں نقدی اور سامان کے تبادلے کے بعد معاملہ مکمل ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز باقی نہیں رہتی (شرائط ملحوظِ خاطر رہتی ہیں)۔ سود میں عدم ادائیگی کی صورت میں معاملہ سالہا سال تک چلتا ہی رہتا ہے۔ نتیجے کے طور پر سود کی گرفت مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات نسل در نسل یہ قرض سود سمیت چلتا رہتا ہے۔

(v) تجارت کا منافع انسان کی جسمانی' فنی اور ذہنی محنت کا معاوضہ ہے۔ سود محض وقتی مہلت کا معاوضہ ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں تو وقت عاملین پیدائش میں سے ہے۔ اسلام میں وقت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے' اس لیے مجرد وقت کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ ایک سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اگر وقت کا معاوضہ لینا درست نہیں ہے تو ملازمت کا تعین گھنٹوں کی صورت میں کیوں کیا جاتا ہے؟ محنت کار آٹھ گھنٹے کام کرنے کا معاوضہ لیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وقت کا تعین کام کے اندازے سے کیا جاتا ہے' یعنی آٹھ گھنٹوں میں اتنا کام ہوسکتا ہے اور اس کام کا معاوضہ یہ ہونا چاہیے' وگرنہ کوئی شخص کسی کاریگر یا مزدور کو آٹھ گھنٹے کام کیے بغیر' محض بیٹھے رہنے کا معاوضہ کبھی نہیں دیتا۔ کام کرنا مقصود ہوتا ہے' محض وقت گزارنا

مقصود نہیں ہوتا۔تجارت کے برعکس سود صرف مہلت اور وقت کا بدلہ ہے۔

(vi) تجارت اگر مضاربت یا مشارکت کی صورت میں ہو رہی ہو تو اس میں شریک افراد کاروبار کی ترقی کے لیے پوری طرح محنت اور خلوص سے کام کرتے ہیں جس سے ان کو ذاتی فائدہ بھی ہوتا ہے اور ملکی معیشت بھی ترقی کرتی ہے۔سود خور کو کاروبار کے نفع یا نقصان سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔اس کی نظر صرف اصل زر اور شرحِ سود پر ہوتی ہے۔سود خور زیادہ سود ملنے کے لالچ میں مقررہ وقت پر تاجر سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کر دیتا ہے۔بسا اوقات کاروبار کی نوعیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اس میں سے فوری طور پر سرمایہ نکالنا مشکل اور کاروبار کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔سود خور کو ایسے وقت میں سرمایہ کھینچنے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں ہوتی' جبکہ ایسا کرنے سے تاجر کو ذاتی اور ملکی معیشت کو اجتماعی طور پر نقصان پہنچتا ہے۔

(vii) تجارت بالخصوص مضاربت یا مشارکت کی صورت میں انسان میں تحمل' رواداری' دوسرے کو برداشت کرنا' اخلاص' دیانت داری اور محنت کی صفاتِ حسنہ پیدا ہوتی ہیں' جبکہ سود سے لالچ' طمع' سہل پسندی' خود غرضی' جبر' آمریت اور حرام خوری جیسے اخلاقِ سیئہ نشو ونما پاتے ہیں۔

قرآن مجید میں تجارتی سود کا تذکرہ

قرآن مجید میں سود کی حرمت اور مذمت والی آیات کے سیاق وسباق میں عموماً صدقات کا تذکرہ آیا ہے' جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید قرض لینے والے لوگوں کی ضروریات کو صدقہ سے پورا کرنے کی رغبت دلا رہا ہے۔اس انداز سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ صرف وہی سود حرام ہے جو ذاتی ضروریات کے لیے لیا جاتا ہے' کیونکہ صدقات غرباء کو ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہی دیے جاتے ہیں۔جب انہیں کہا جائے کہ فرمانِ الٰہی ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے سود کے ساتھ بیع کو بھی ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں بلکہ سود خور یہود کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔اس رائے کے حامل عبدالکریم اثری نے ''ربا کیا ہے؟'' کے نام سے ایک مستقل کتابچہ شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سود صرف صرفی قرضوں پر ہے' نیز سود کا تجارت (بیع) سے کوئی تعلق نہیں اور تمام محدثین نے کتاب البیوع میں ربا کے احکام کو بیان کر کے غلطی کی ہے اور یہ کہ بینکوں کے کاروبار کو درست قرار دیا گیا ہے۔تمام محدثین کو غلط قرار دے کر ان کا استہزاء کرنے والے ''عقل مند'' اور ''صاحبِ علم'' کے بارے میں کیا کہا جا

سکتا ہے' یہ خود ایک بڑا سوال ہے!

ربا کو صرفی قرضوں تک محدود کرنا اور تجارتی قرضوں سے غیر متعلق قرار دینا محض ایک شبہ ہے جو سرمایہ دارانہ بینکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے پیدا کیا جاتا ہے۔ رِبا کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں' لہٰذا ابہام کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ربا کو صدقات کے سیاق میں بیان کیا گیا ہے تو تجارت کے ساتھ بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

(i) یہ مخالفین کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

(ii) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اگر اسے مخالفین و معاندین کا قول بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور ربا کو حرام ٹھہرا کر جو فرق کیا ہے یہود اس تفریق کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سود خور یہود کے نزدیک تجارت اور بیع ایک ہی چیز ہے۔ اسی آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریے کی وضاحت فرما دی ہے: ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾۔

دوسری بات یہ ہے کہ آیاتِ سود کے فوراً بعد تجارتی قرضوں کے احکامات پر مشتمل ایک پورا رکوع بھی موجود ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ...... وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آیات ۲۸۲ تا ۲۸۴)

آیاتِ سود کے متصل بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو کسی وقتِ مقرر تک (یعنی جب تم تجارتی قرض دینے لگو وقتِ مقرر تک) تو اسے لکھ لیا کرو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سود کے سیاق میں تجارت کے احکام بھی بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے لفظ ''دَین'' سے مراد ''تجارتی قرضہ'' لیا ہے۔ اس کے لیے ''قرض'' اور ''دَین'' میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔

قرض : ایسا اُدھار جو ذاتی ضروریات کے لیے لیا جائے۔ اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی قرض کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے ساتھ اکثر ''حَسَنًا'' کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور قرضِ حسنہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ﴾ (البقرة: ۲۸۰)

''اور اگر وہ (قرض لینے والا) تنگ دست ہو تو (اسے) آسانی تک مہلت دینا ہے''۔

دَین: کسی بھی طرح کی ادائیگی اور اس کی ذمہ داری کو کہتے ہیں' خواہ یہ ادائیگی تجارتی قرضہ کی ہو یا ذاتی قرضہ کی یا کسی دوسری چیز کی۔ (۵)

قرض اور دَین کی وضاحت کے بعد آیئے دیکھیں کہ حرمتِ سود کی سب سے گاڑھی آیت کس تناظر میں نازل ہو رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾﴾ (البقرة)

اس آیت کا شانِ نزول ابن جریر طبری یوں بیان کرتے ہیں:

''دورِ جاہلیت میں بنوعمرو اور بنومغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام آیا اور سود حرام ہوا تو بنومغیرہ کے ذمے بنوعمرو کا بہت سا مال واجب الادا تھا جس کو بنومغیرہ نے سود کی حرمت کے نازل ہونے کے بعد ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بنوعمرو نے عتابؓ بن اُسید (امیر مکہ) کے پاس اپنا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عتابؓ نے نبی کریم ﷺ سے اس سود کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتاب (امیر مکہ) کو بھجوائی اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ ''اگر بنوعمرو سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو''۔ (۶)

بنوعمرو کے جو افراد بنومغیرہ کو قرض دیا اور لیا کرتے تھے ان میں (تین بھائی) مسعود ثقفی' عبدیالیل' حبیب اور ربیعہ وغیرہ شامل تھے۔ (۷)

ان حضرات کا شمار طائف کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ یہ مال دار لوگ تھے' جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے قرضے تجارتی نوعیت کے تھے' ذاتی ضروریات کے لیے نہیں تھے۔ چنانچہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: **كان ربا يتبايعون به في الجاهلية** ''یہ وہ سود تھا جو جاہلیت میں لوگ تجارتی مقاصد کے لیے لیتے تھے''۔

اس مسئلے پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا موقف دیکھتے ہیں:

''اس زمانے میں بعض کم سواد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں زمانۂ نزولِ قرآن سے پہلے جو سود رائج تھا یہ صرف مہاجنی سود تھا' غریب اور نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریاتِ

زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن اُن مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اس زمانے میں رواج ہے' تو ان کا نہ اُس زمانے میں دستور تھا' نہ ان کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔ ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اسی آیت (سورۃ البقرۃ:۲۸۰) کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآنِ حکیم یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذُوعُسرۃ) ہو تو اس کو کشادگی (مَیْسَرۃ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے''۔[۸]

اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید میں حرمتِ ربا اصلاً تجارتی قرضوں کے تناظر میں بیان ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تجارتی قرضوں کا ثبوت

(۱) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے طور پر رکھوانے کے لیے آتے تو آپؓ کہتے: ''امانت سنبھالنا مشکل ہے' میں امانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں جس سے میں تجارت کروں گا''۔ ان کی شہادت کے بعد اُن کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر نے لوگوں کے قرضوں کا حساب لگایا تو یہ تجارتی قرضے ۲۲ لاکھ درہم تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے والد کی جائیداد بیچ کر یہ قرضے ادا کیے۔[۹]

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کے جہاد میں شامل ہوئے۔ واپسی پر امیر بصرہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا: ''میں کچھ مال امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم مجھ سے مال لے کر عراق سے سامانِ تجارت خرید لو۔ مدینے میں سامان بیچ دینا اور رأس المال امیر المؤمنین کو دے دینا''۔ دونوں نے ایسا ہی کیا۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مضاربت کے اصول پر تجارت سے ہونے والے نفع میں سے نصف بیت المال کے لیے وصول کر لیا۔[۱۰]

(۳) ہند بنت عتبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیت المال سے چار ہزار درہم کا قرض (تجارت کے لیے) مانگا جو انہوں نے دے دیا۔ ہند بنت عتبہ کو کاروبار میں خسارہ ہوا لیکن انہوں نے بیت المال کو پورا قرضہ ادا کر دیا۔[۱۱]

سود کی علت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارا رأس المال (اصل سرمایہ) ہے' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

ان آیات میں سود کی حرمت اور مذمت بیان کرتے ہوئے اسے چھوڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔ اِن الفاظ میں سود کی ''حکمت'' بیان ہو رہی ہے۔ ایک ضرورت مند شخص اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قرض لیتا ہے۔ قرض دینے والا اس کی ضرورت سے فائدہ اٹھا کر سود وصول کرتا ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں قرض میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جو کہ اس ضرورت مند شخص پر ظلم ہے۔

سود کو جائز قرار دینے والے اِن الفاظ کے پیشِ نظر حرمت ربا کی علت ظلم قرار دیتے ہیں' لہٰذا اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص تجارتی ضرورت کے تحت قرض لے کر ہنسی خوشی اضافے کے ساتھ واپس کرتا ہے تو یہ ظلم نہیں ہے' لہٰذا حرام بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک کم شرحِ سود یا ہر وہ قرضہ جس میں بظاہر ظلم نظر نہیں آتا' جائز ہے۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ 'ظلم' اصل میں ربا کی علت نہیں بلکہ حکمت ہے۔ علت اور حکمت میں فرق ہے۔ علت اس بنیاد کو کہتے ہیں جس پر کوئی شرعی حکم موقوف ہوتا ہے۔ اگر علت باقی نہ رہے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ علماء نے دلائل کی بنیاد پر کسی چیز کو علت قرار دینے کے لیے شرائط رکھی ہیں۔ ان شرائط کی عدم موجودگی میں کسی چیز کو علت قرار نہیں دیا جا سکتا' جبکہ ''حکمت'' ایسی مصلحت کو کہتے ہیں جسے شارع اس حکم کی تشریع کے ذریعے پورا کرنا چاہتا ہے۔ مصلحتیں ایک سے زائد بھی ہو سکتی ہیں لیکن اس کے سقوط سے حکم ختم نہیں ہوتا۔ چونکہ ''ظلم'' ربا کی علت نہیں ہے' لہٰذا اسے علت قرار دے کر باہمی رضامندی کے سودی معاملے کو

جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر بالفرض ظلم کو علت مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بات سمجھنا قطعاً مشکل نہیں کہ ہر سودی معاملے میں ظلم لازمی طور پر موجود ہے۔ ظلم کا تعلق صرف سود دینے اور لینے والے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سودی معیشت اسلامی معیشت کی جڑیں کاٹنے کی وجہ سے پورے اسلامی معاشرے پر ظلم کی مرتکب ہوتی ہے۔ سود دینے اور لینے والے افراد کے علاوہ دیگر لوگ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یوں خوشی سے سود لینے اور دینے والے بظاہر ظلم سے محفوظ رہ کر بھی دوسرے افراد پر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سود میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کا ظلم پایا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلاف کے طریقے سے ہٹ کر ''الفاظ اور عقل'' سے دین کی تشریح کرنے کی کوشش کرنے والوں کی خدمت میں ہم یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر صبح کے وقت' جب ٹریفک بہت کم ہوتی ہے' کوئی صاحب چوک پر اشارہ کاٹ کر گزر جائیں اور سامنے سے ٹریفک سارجنٹ نمودار ہو کر اس کا چالان کرنے کی کوشش کرے اور وہ صاحب چوک میں ٹریفک پولیس کی طرف سے لگائے گئے بینر کی عبارت پڑھ کر سنائیں ''اشارے کی پابندی کیجیے' حادثات سے بچیے'' اور اس عبارت کی بنیاد پر وہ یہ دعویٰ کریں کہ اشارے کی پابندی کی علت حادثے سے بچنا ہے' میں نے اشارہ کاٹ کر کوئی حادثہ نہیں کیا' لہٰذا میرا چالان نہیں ہونا چاہیے' تو کیا آپ اس صاحب کے عذر کو تسلیم کر لیں گے؟ (جاری ہے)

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب البیوع' باب ما جاء فی اکل الربا۔ امام مسلم فرماتے ہیں: حضرات عمر' علی' جابر اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی ہی احادیث مروی ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجه' کتاب التجارات' باب التغلیظ فی الربا۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ حکمت قرآن' بابت مئی ۲۰۰۷ء۔

(٤) روح المعانی' ج۳' ص ۵۰۔

(٥) مترادفات القرآن' از مولانا عبدالرحمن کیلانی' ص ۱۲۷'۱۲۸۔

(٦) تفسیر ابن جریر طبری' ج۳' ص ۱۰۷۔

(٧) تفسیر ابن جریر طبری' ج۳' ص ۱۰۷۔

(٨) تدبر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی' ج۱' ص ۶۳۹' سورۃ البقرۃ: ۲۸۰۔

(٩) صحیح البخاری' کتاب فرض الخمس' باب برکة الغازی فی ماله حیا ومیتا۔

(۱۰) موطأ امام مالك' كتاب القراض' باب ما جاء في القراض' تفصيلاً۔

(۱۱) تاریخ طبری' ج ۵' ص ۲۹۔

بقیہ :فہم القرآن

لَا تُؤَاخِذْنَآ :تو مت پکڑ ہم کو

اِنْ :اگر

نَّسِيْنَآ :ہم بھول جائیں

اَوْ :یا

اَخْطَاْنَا :ہم چوک جائیں

رَبَّنَا :اے ہمارے ربّ

وَلَا تَحْمِلْ :اور تو مت ڈال

عَلَيْنَآ :ہم پر

اِصْرًا :کوئی ذمہ داری

كَمَا :جس طرح

حَمَلْتَهٗ :تو نے ڈالا اس کو

عَلَى الَّذِيْنَ :ان لوگوں پر جو

مِنْ قَبْلِنَا :ہم سے پہلے تھے

رَبَّنَا :اے ہمارے ربّ

وَلَا تُحَمِّلْنَا :اور تو مت اُٹھوا ہم سے

مَا :اس کو

لَا طَاقَةَ :کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے

لَنَا :ہم میں

بِهٖ :جس کی

وَاعْفُ :اور تو درگزر کر

عَنَّا :ہم سے

وَاغْفِرْ :اور تو بخش دے

لَنَا :ہم کو

وَارْحَمْنَآ :اور تو رحم کر ہم پر

اَنْتَ :تو

مَوْلٰىنَا :ہماری بگڑی بنانے والا ہے

فَانْصُرْنَا :پس تو ہماری مدد کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ : کافر قوم (کے مقابلے) پر

نوٹ (۱) : نیکی کرنا انسانی فطرت کے مطابق ہے اس لیے اس کے لیے فعل ثلاثی مجرد سے ''كَسَبَتْ'' آیا ہے۔ جبکہ برائی کرنے کے لیے انسان کو اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے' اس لیے اس کا فعل بابِ افتعال سے ''اِكْتَسَبَتْ'' آیا ہے۔